© rasailojaraid.com

کیا نجات کیلیے صرف کلمہ توحید کافی ہے؟

"ایک حدیث کے متعلق جناب سے تشفی مطلوب ہے۔

من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ اس حدیث میں ایمان بالرسل کے بغیر جنت کی بشارت دی گئی ہے حالانکہ قرآن میں ایمان بالرسل پر جس شدت سے تاکید ہے ظاہر ہے تا آنکہ کوئی ایمان بالرسل کے بغیر نہ راہ ہدایت پا سکتا ہے نہ فوز وفلاح۔ نہ آخرت کی زندگی میں اس کے لیے کوئی حصہ ہے۔ نیز اس حدیث میں عمل صالح کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ اگرچہ اعمال صالحہ جزو ایمان نہیں ہیں مگر قرآن کریم میں تو آخرت کی کامیابی وکامرانی انعام و اکرام اور جنت کی بشارت۔ اپنے صاحب ایمان اور صالح بندوں ہی کو دی گئی ہے جیسا کہ آیات ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ الآیۃ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ الآیۃ۔

وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ الآیۃ

ہماری سطحی بین نظروں میں یہ حدیث قرآن کے خلاف واقع ہو رہی ہے۔ براہ کرم جناب اپنے شغف علمی اور محققانہ نظر سے مستفید فرما کر مطمئن فرمائیں تو موجب صد ممنونیت۔

صفوۃ الرحمٰن نظام آباد۔

ترجمان القرآن سب سے پہلے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے قرآن مجید میں بھی ایک جگہ فرمایا گیا ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم السجدہ ۴:۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ خدا ہی ہمارا رب ہے، پھر اس (قول) پر جم گئے ان پر ملائکہ اترتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) نہ خوف کھاؤ اور نہ رنج کرو اور اس جنت کی خوش خبری سے شادکام ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے

دیکھیے یہاں بھی وہی بات دوسرے لفظوں میں کہی گئی ہے جو آپ کی نقل کردہ حدیث میں پائی جاتی ہے جس طرح اس آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ نجات اور بخشش اور دخول جنت کے لیے صرف توحید کا اعتقاد کافی ہے اور ایمان بالرسل اور عمل صالح کی ضرورت نہیں، اسی طرح مذکورۂ بالا حدیث سے بھی ایسا نتیجہ نکالنا درست نہیں۔ علی ہذا القیاس جس طرح قرآن مجید کی یہ آیت اُن آیات سے معارض نہیں جو آپ نے پیش فرمائی ہیں، اُسی طرح یہ حدیث بھی اُن آیات سے معارض نہیں۔

حدیث اور قرآن دونوں کو سمجھنے میں ایک غلطی عام طور پر پیش آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن اور کتب حدیث دونوں کو لوگ عام تصنیفات کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح دوسری کتابوں میں ایک ایک مضمون ایک ایک جگہ بتمام و کمال بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسی طرح قرآن و حدیث میں بھی کی گئی ہوگی لیکن اصل معاملہ یہ نہیں ہے۔ قرآن ۲۳ سال کی مدت میں مختلف مواقع پر مختلف حالات اور ضروریات کے مطابق تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا ہے۔ اسی طرح احادیث میں حضور کے وہ اقوال جمع کیے گئے ہیں جو ۲۳ سال کے طویل زمانہ میں آپ نے مختلف مواقع پر مختلف حالات میں حسب ضرورت ارشاد فرمائے ہیں۔ ان دونوں میں ایک چیز تو اسلام کی مرکزی تعلیم ہے جسے بار بار مختلف طریقوں سے دوہرا گیا ہے۔ اور دوسری چیز اسلامی ہدایت کی تفصیلات ہیں جن کو کہیں یکجا اور کہیں جدا جدا مختلف حالتوں اور مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ صحیح نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان سب پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈالی جائے، ورنہ اگر کسی ایک ٹکڑے کو، کہیں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے لیا گیا اور دوسرے متعلق اجزا سے صرفِ نظر کر کے اسی کو ایک مستقل چیز سمجھ لیا گیا تو یقیناً غلط فہمی واقع ہو گی۔

مثال کے طور پر قرآن میں کہیں تو صرف ایمان باللہ پر زور دیا گیا ہے جیسا کہ اوپر منقول ہوا۔ کہیں صرف یوم آخر کے اقرار کی تاکید ہے (الانعام: ۴) کہیں خدا کے ساتھ یوم آخر کا ذکر ہے (سورہ بقرہ) کہیں خدا کے ساتھ رسولوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ (آل عمران: ۱۸) کہیں خدا کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تعلیم ہے (النور: ۹) کہیں یوم آخر اور کتب الٰہی پر اعتقاد رکھنے کی شدید تاکید ہے۔ (النساء رکوع اول) کہیں خدا اور انبیاء اور ملائکہ کے انکار کو کفر و فسق قرار دیا گیا ہے (بقرہ: ۱۲) اور کہیں ایمان کے پانچ اجزاء پورے بیان کر دئے گئے ہیں، یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، ایمان بالملائکہ اور ایمان بالیوم الآخر (بقرہ: ۲۲) ان مختلف مقامات میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک مقام پر ایمانیات کو یکجا بیان کر کے دوسرے مقامات پر اُن میں سے ایک ایک دو دو کو حسب موقع و ضرورت زیادہ زور دے کر پیش کیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس اصل سے قطع نظر کرلے اور کسی ایک آیت کو لے کر یہ دعوی کر دے کہ مومن ہونے کے لیے صرف خدا کی توحید پر، یا محض خدا اور یوم آخر پر، یا فقط خدا اور رسولوں پر ایمان لانا کافی ہے، اور یہ گمان کرے کہ اجزائے ایمان میں سے بعض کا انکار کر کے بھی بعض کا اقرار انسان کے لیے نافع ہو سکتا ہے، تو دراصل یہ قرآن کی زبان اور اس کے انداز بیان سے قطعی ناواقفیت کا نتیجہ ہوگا۔

اسی طرح قرآن میں کہیں صرف ایمان پر زور دیا گیا ہے جیسا کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں ہے۔ اور کہیں ایمان کے ساتھ تقویٰ اور عمل صالح کو نجات کے لیے شرط ٹھیرایا گیا ہے، مثلاً وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (آل عمران: ۱۸) اور وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اعمال صالحہ میں سے بھی کسی جگہ ایک کی تاکید ہے اور کسی جگہ دوسرے کی کہیں نماز اور زکوٰۃ پر زور دیا جا رہا ہے، کہیں راستبازی اور حسن معاملہ پر، کہیں عفت اور حفظ فروج پر، کہیں صلۂ رحمی اور قرابتداروں کے حقوق پر، کہیں مساکین و یتامیٰ کی مواسات پر، کہیں والدین کی خدمت پر، کہیں ازدواجی قانون کے حدود پر، کہیں اکل حلال اور ترک حرام پر۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا فلاح و نجات کا مدار اسی پر ہے۔ اگر کوئی شخص ان احکام اور ہدایات کے پورے مجموعہ سے قطع نظر کر کے محض کسی ایک آیت کو لے اور اس سے یہ نتیجہ نکالے کہ قرآن مجید محض ایمان پر نجات کی بشارت دیتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ عمل صالح ہو، یا اعمال صالحہ میں سے صرف نماز یا زکوٰۃ یا عفت یا صلۂ رحمی یا کسی اور چیز کو کافی سمجھتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ دوسرے حسنات بھی ہوں، تو یہ اس کی قلت تدبر کا نتیجہ ہوگا۔ قرآن تو اپنی مجموعی تعلیم میں فکری و عملی زندگی کے لیے ایک مکمل اسکیم پیش کرتا ہے جس میں ایمانیات، اخلاقیات، اور عملی قوانین سب اپنی اپنی مناسب جگہ پر ہیں۔ مگر اس نے ان چیزوں کو ذہن نشین کرنے کے لیے ایک خاص حکیمانہ طریقہ اختیار کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک ایک ہدایت کو وہ الگ الگ مناسب مواقع پر دلوں میں اتارتا جاتا ہے۔ کبھی کوئی خاص واقعہ پیش آگیا، دیکھا کہ ذہن اس وقت ایک خاص ہدایت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، فوراً وہ ہدایت نازل کر دی گئی اور اس قوت کے ساتھ نازل کی گئی کہ قلب و روح میں پیوست ہوگئی۔ کبھی کسی خاص گروہ کی تعلیم پر حضور کو مامور کیا گیا اور اس گروہ کے خاص حالات کو پیش نظر رکھ کر اسی قسم کی ہدایات دی گئیں جو ان کی اصلاح کے لیے ضروری تھیں۔ کبھی کوئی خاص تعلیم دینے کی ضرورت پیش آئی تو پہلے تمثیلوں سے، اقوام گذشتہ کی نظیروں سے، انبیاء کرام کے حالات سے، آفاق و انفس کے شواہد سے دلوں کو اس کی قبولیت کے لیے تیار کیا گیا پھر وہ تعلیم دی گئی تاکہ اس کا اثر ہو، اور وہ روح میں جذب ہو جائے۔ یہ انتہا درجہ کا حکیمانہ طریق تعلیم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تربیت اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد محض ایک اسکیم اور ایک ہدایت نامہ مرتب کر دینا نہیں تھا، بلکہ درحقیقت اپنی اسکیم کو نافذ کرنا اور ایک جماعت کی زندگی میں انقلاب پیدا کرنا تھا جس کے لیے تدریج اور ترتیب اور موقع و محل کی مناسبت اور نفسیاتِ انسانی کی رعایت ناگزیر تھی۔

ٹھیک ٹھیک اسی حکیمانہ طریقہ کی پیروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔ ۲۳ سال کی پیغمبرانہ زندگی میں آپ ہر وقت تبلیغ و تعلیم اور اصلاح و ہدایت میں مشغول رہتے تھے۔ ہر قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔ ہر ایک کی ذہنیت، ہر ایک کی استعداد، ہر ایک کی اخلاقی، اعتقادی اور عملی حالت جدا گانہ تھی۔ اگر آپ ہر وقت ہر شخص سے ایک ہی لگی بندھی بات کہتے اور ایک ہی قسم کی ہدایات دے کر رخصت کر دیا کرتے تو آپ کو وہ کامیابی کبھی نصیب نہ ہوتی جس نے تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ آپ حکیم مطلق کے شاگرد تھے، اور اس حکیم نے جو طریق ہدایت اپنی کتاب میں اختیار کیا تھا اسی کی پیروی آپ بھی کرتے تھے۔ آپ کی تعلیم موقع و محل کی رعایت کے ساتھ ہوتی تھی جس وقت جس بات کا موقع ہوتا تھا، اس وقت وہی بات آپ کی زبان سے نکلتی تھی، اور سیدھی دلوں میں اتر جاتی تھی۔ یہ چیزیں جو منتشر طور پر حدیثوں میں پھیلی ہوئی ہیں ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھیے تب آپ کو معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تعلیم کیا تھی اور آپ کس طرح اس کو ذہن نشین کراتے تھے۔ اگر آپ ان اکائیوں کو جوڑ کر ایک منظم عدد نہ بنائیں گے، اور ایک ایک فرد کو الگ الگ لیکر اس سے نتائج اخذ کرنے لگیں گے تو ویسی ہی غلطی پیش آئے گی جیسی آیات قرآنی کو متفرق طور پر دیکھنے سے پیش آسکتی ہے۔

اس قاعدہ کو ملحوظ رکھکر اب ان احادیث پر نظر ڈالیے جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات مختلف طریقوں سے بیان فرمائی ہیں۔

ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے۔ ایک اعرابی نے آکر آپ کے اونٹ کی نکیل تھام لی اور عرض کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یارسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے جو مجھ کو جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔
فرمایا تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئاً و تقیم الصلوٰۃ و تؤتی الزکوٰۃ و تصل الرحم
"اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر نماز کا پابند رہ۔ زکوٰۃ دے اور
قرابتداروں کے حقوق ادا کر"۔ دیکھیے۔ یہاں ایک ایسا شخص سامنے ہے جو آپ کی رسالت
کا قائل ہے۔ حیات اخروی کا قائل ہے۔ اسلام قبول کر چکا ہے۔ اس کو تمام ایمانیات
اور اخلاقیات کی تفصیل مطلوب نہیں۔ وہ صرف ترقی درجات کے لیے ہدایت مانگ رہا ہے۔
آپ اس کی ضرورت کے مطابق اس کو تعلیم دیتے ہیں کہ جس عقیدہ پر اسلام کی بنیاد قائم
ہے اس میں مضبوط ہو جا، اور اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کیے جا۔

ایک دوسرے موقع پر کوئی اعرابی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتائیے
جو مجھ کو جنت میں پہنچا دے آپ نے فرمایا تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا و تقیم الصلوٰۃ
المکتوبۃ و تؤتی الزکوٰۃ المفروضۃ و تصوم رمضان "وہ عمل یہ ہے کہ تو صرف
اللہ کی بندگی کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائے، جو نماز فرض کی گئی ہے اس کا
پابند رہے۔ جو زکوٰۃ مقرر کر دی گئی ہے وہ ادا کرتا رہے۔ اور رمضان
کے روزے رکھے۔ اس نے کہا بخدا میں اس سے نہ زیادہ کچھ
کروں گا نہ کم۔ جب وہ واپس چلا گیا تو حضور نے فرمایا جو شخص اہل جنت میں سے کسی کو دیکھ کر آنکھیں
ٹھنڈی کرنی چاہتا ہو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ اب حضور کی تعلیم اور اس شخص کے جواب اور پھر
آپ کے آخری ارشاد پر غور کیجیے۔ ایک سچا مسلمان سامنے تھا۔ نبی کی ہر ہدایت کو صدق دل سے
قبول کرنے کو تیار رہتا تھا۔ اس کو صرف یہ سمجھانے کی ضرورت تھی کہ خدا کی جنت میں داخل ہونے
کے لیے بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کی حاجت نہیں، چلّے کھینچنے اور رات رات بھر وظیفے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی دنیا داری کی زندگی میں اگر تو اپنے اعتقاد کو شرک سے پاک رکھے اور خدا کے عائد کیے ہوئے فرائض ادا کرتا رہے تو جنت تجھے مل سکتی ہے۔

اس کے بعد ایک دوسری قسم کی حدیث ملاحظہ کیجیے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے ایک مشن پر بھیجا تو فرمایا کہ تم اہل کتاب کی ایک قوم میں پہنچو گے سب سے پہلے ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیں اور یہ تسلیم کریں کہ میں اللہ کا رسول ہوں جب وہ اس کو مان لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ نے تم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں جب وہ اس کو بھی مان لیں تو کہنا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو تمہارے مالداروں سے لی جائے گی اور تمہارے غریبوں کو دیدی جائے گی جب وہ اس کو بھی مان لیں تو خبردار ان کے مال کو ہاتھ نہ لگانا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ اسی نوعیت کی دوسری احادیث میں ہے امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوہ عصموا منی دماءھم واموالھم وحسابھم علی اللہ۔ (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں تا آنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا رسول ہے، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ پھر جب انھوں نے ایسا کر دیا تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا۔ اس کے بعد ان کا حساب اللہ کے ہاتھ ہے) اور امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ ویومنوا بی وبما جئت بہ فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں تا آنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں، اور مجھ پر اور ان سب باتوں پر ایمان لائیں جو میں لایا ہوں پھر جب انھوں نے ایسا کر دیا تو مجھ سے اپنی جانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مالوں کو بچا لیا۔ الا یہ کہ ان کے خلاف کوئی حق قائم ہو جائے۔ اس کے بعد ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے)، ان احادیث میں حضور نے اسلام کا دستوری قانون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کو ماننے کا اقرار کرے تو وہ دائرۂ اسلام میں آجاتا ہے۔ یہ بات کہ وہ حقیقی مومن ہے یا نہیں اس کا فیصلہ اللہ کرنے والا ہے ہم اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں کہ لم اؤمر ان اشق عن قلوب الناس ولا عن بطونهم[1] عصمت جان و مال مجرد کلمۂ توحید اور اعتقاد رسالت کے اقرار سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کسی کو دست درازی کا حق نہیں رہتا البتہ اگر کوئی شخص خدا کا حق یا بندوں کا حق ادا کرنے سے انکار کرے تو اس کو جرم کے مطابق سزا دی جا سکتی ہے۔

دیکھیے یہاں کوئی خاص شخص پیش نظر نہ تھا بلکہ عام ہدایات دی جا رہی تھیں، اس لیے صرف قانون کے حدود بیان کرنے پر اکتفا کی گئی۔ یہ نہیں فرمایا کہ اقرار توحید و رسالت اور ادائے فرائض سے ہر شخص کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ نیز اس موقع پر آپ نے ہر شخص کو تمام ایمانیات اور عملی قوانین سے آگاہ کرنے کا حکم بھی نہیں دیا، کیونکہ یہاں صرف یہ سمجھانا مقصود تھا کہ اسلام اور غیر اسلام کی سرحد کیا ہے۔ اور اسلام کی سرحد میں داخل ہوتے ہی انسان کو کیا حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ ٹھیک ٹھیک اس آیت کے مطابق ہے جس میں فرمایا گیا ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ (اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انہیں چھوڑ دو)۔ پس کسی شخص کو ان قانونی ہدایات سے یہ نتیجہ نکالنے کا حق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف توحید و رسالت کے اقرار اور ادائے نماز و زکوٰۃ میں اسلام کو محدود رکھتے تھے اور ان کے سوا کسی اور چیز کی کوئی اہمیت آپ کی نگاہ میں نہ تھی۔

[1] مجھکو لوگوں کے دل چیرنے اور ان کے باطن ٹٹولنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر آپ نے دو قسم کی حدیثیں دیکھیں۔ ایک وہ جن کے مخاطب خاص لوگ تھے۔ ان میں آں حضرت صلعم نے ان لوگوں کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر تعلیم دی ہے۔ دوسری وہ جن کا موضوع احکام عمومی تھا۔ ان میں حضور نے عام قانونی ہدایات دی ہیں اور اسلام و کفر کا امتیاز بیان فرمایا ہے۔ اب آن احادیث کو دیکھیے جن کے مخاطب خواص صحابہ تھے۔

ایک مرتبہ حضور سواری پر چلے جا رہے تھے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے آپ نے تین مرتبہ ٹھیر ٹھیر کر آواز دی یا معاذ بن جبل۔ اور حضرت معاذ نے ہر مرتبہ عرض کیا لبیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ اس طرح تین مرتبہ پکار کر جب آپ نے مخاطب کو اچھی طرح اپنی جانب متوجہ کر لیا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ جو بات آپ فرمانا چاہتے ہیں اس کو سننے والا خاص اہمیت کے ساتھ سنے گا تب فرمایا "جانتے ہو بندوں پر خدا کا کیا حق ہے؟" انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا "اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں"۔ تھوڑی دور آگے چل کر پھر آواز دی یا معاذ بن جبل۔ انہوں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ فرمایا "پھر جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جبکہ وہ ایسا کریں؟" انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا "ان کا حق یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے"۔ حضرت معاذ نے یہ سن کر پوچھا "کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت دے دوں؟" فرمایا "نہیں! ان کو بشارت نہ دو کیوں کہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے"۔

ایک اور موقع پر حضور اپنے خاص صحابیوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ یکایک آپ اٹھے اور تشریف لے گئے۔ جب بہت دیر گذر گئی تو صحابہ کو تشویش ہوئی کہ کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔ ڈھونڈنے نکلے۔ سب سے پہلے جو صاحب گئے وہ حضرت ابوہریرہ تھے۔ یہ سرکار کو تلاش کرتے ہوئے انصار کے ایک باغ پر پہنچے جس کا دروازہ تلاش کے باوجود نہ ملا۔ آخر ایک چھوٹی سی نہر کے رستے اندر پہنچے۔ دیکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضور تشریف فرما ہیں۔ آپ نے پوچھا کیسے آئے۔ انہوں نے ماجرا عرض کیا۔ آپ نے اپنی دونوں جوتیاں اٹھا کر انہیں دے دیں اور فرمایا انہیں لے جاؤ اور باغ کے پیچھے جو شخص ایسا ملے جو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو اور اس پر دل سے یقین رکھتا ہو اسے جنت کی بشارت دے دو۔ یہ اس حکم کی تعمیل کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں سب سے پہلے حضرت عمر ملے۔ انہوں نے پوچھا یہ جوتیاں کیسی ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین ہیں اور آپ نے مجھے ایسا اور ایسا کہنے کا حکم دیا ہے حضرت عمر نے یہ سن کر ان کے ایک زور کا دھپ رسید کیا اور کہا کہ واپس جاؤ۔ یہ گرتے پڑتے بھاگے اور جا کر حضور سے سارا معاملہ بیان کیا۔ اتنے میں حضرت عمر بھی پہنچ گئے۔ آپ نے پوچھا کہ عمر! کس چیز نے تم کو اس حرکت پر آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا آپ نے ابوہریرہ کو ایسا اور ایسا کہنے کے لیے بھیجا تھا؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمر نے عرض کیا ایسا نہ کیجیے۔ مجھے خوف ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھینگے۔ انہیں عمل کے لیے چھوڑ دیجیے۔ آپ نے فرمایا اچھا تو انہیں عمل کے لیے چھوڑ دو۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ایک سپید کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ یہ واپس ہو گئے۔ دوبارہ حاضر ہوئے تو آپ اٹھ چکے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا ما من عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذٰلک الا دخل الجنۃ۔ جس بندے نے کہدیا کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور اسی پر جان دی وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا انہوں نے پوچھا وان زنی وان سرق (اگرچہ اس نے زنا کی ہو؟ اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟) آپ نے فرمایا وان زنی وان سرق۔ انہوں نے پھر یہی پوچھا اور آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ انہوں نے سہ بارہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔

ان تینوں حدیثوں پر غور کیجیے۔ مخاطب وہ لوگ ہیں جن کے کامل الاسلام ہونے میں کوئی شبہہ نہیں وہ تعلیمات قرآنی اور قوانین اسلامی سے نہ صرف خوب واقف ہیں بلکہ ان پر پوری طرح عامل بھی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے سامنے حضور نے جو کچھ فرمایا اس سے یہ اندیشہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی کہ وہ دوسرے ایمانیات اور اعمال صالحہ کو غیر ضروری سمجھ لیں گے۔ اس لیے ان کو آپ نے یہ حقیقت بتا دی کہ اسلام میں سب سے اہم چیز عقیدۂ توحید ہے، اور یہ ایسی چیز ہے کہ جس کا یہ اعتقاد درست ہو اور پوری طرح راسخ ہو جائے وہ اللہ کے عذاب میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بالکل خدا کی رضا کا تابع کر دے اور راہ راست پر قائم ہو جائے۔ سچے موحد کے لیے آیات الٰہی سے انکار اور مرضات الٰہی سے انحراف دونوں ناممکن ہیں، لہٰذا اس کا موحد ہونا ہی اس کے صحیح الایمان اور طاہر الاخلاق اور صالح الاعمال ہونے کو مستلزم ہے۔ تاہم اگر وہ غلطی سے مرتکب گناہ ہو بھی جائے تو یقیناً وہ اپنے گناہ پر متنبہ ہوتے ہی توبہ کرے گا۔ اور اگر توبہ کی توفیق نہ بھی ملی تو بقدر گناہ سزا پا کر آخر کار ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ خلود فی النار کی سزا اس کو ہرگز نہیں مل سکتی۔

مذکورۂ بالا احادیث اور ان کی ہم معنی دوسری احادیث کا یہی مفہوم صحابۂ کرام نے سمجھا تھا اور یہی ان کا حقیقی مفہوم تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ خیال نہ کیا کہ بس عقیدۂ توحید ہی کافی ہے، اس کے بعد نہ رسالت کو ماننے کی ضرورت ہے، نہ کلام اللہ کو، اور نہ پاکیزگی اخلاق مطلوب ہے، نہ خیریت اعمال۔ ایسا غلط مفہوم وہ کس طرح سمجھ سکتے تھے، جبکہ ان کو پوری طرح بتا دیا گیا تھا کہ اسلام کیا ہے اور اس میں کن چیزوں کا اعتقاد، کن عبادات کی پابندی، کن حدود کی حفاظت، کن قوانین کی اطاعت اور کن طریقوں سے اجتناب ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ تعلیم صرف کاملین کو دی اور عوام کے سامنے اس کو بیان کرنے سے منع فرما دیا۔ معاذ بن جبل والی حدیث میں آپ نے اس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرما دی ہے کہ عام لوگ اس کو سن کر غلط فہمی میں پڑ جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہ والی حدیث میں ایک شخص کو یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے شائد عوام سے اس کو بیان کرنے کی اجازت دی تھی۔ خود حضرت عمر کو بھی ایسا ہی شبہہ ہوا تھا۔ لیکن دراصل حضور کا مقصد کامل الاسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کو بشارت دینا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا اندیشہ بیان کیا تو آپ نے ان کی رائے سے اتفاق فرمایا۔ اسی طرح حضرت ابوذر والی حدیث میں بھی کوئی شخص یہ شبہہ نہیں کرسکتا کہ قال لا الٰہ الا اللہ سے مجرد زبانی قول مراد ہے۔ اس لیے کہ حضور نے دوسرے مواقع پر تصریح فرمائی ہے کہ دخول جنت کے لیے توحید پر کامل ایمان کی ضرورت ہے کہیں مستیقنا بھا قلبہ فرمایا، کہیں عبد غیر شاکٍ فرمایا۔ اور کہیں دوسرے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں جو اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ بہرحال یہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جن احادیث میں توحید کی اہمیت بیان کی گئی ہے ان کا خطاب دراصل ان لوگوں سے ہے جو تمام شرائط کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہوں۔ نہ کہ اُن لوگوں سے جو مسلمان ہی نہ ہوں۔ پھر مسلمانوں کو بھی اعتقاد توحید پر دخول جنت کی بشارت دینے سے یہ مراد نہیں کہ بس خدا کی وحدانیت مان لو۔ پھر جس قسم کی بدعقیدگی، و فسق و فجور اور بدعت و معصیت میں چاہو مبتلا ہو جاؤ۔ بلکہ اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مسلمان کی کامیابی کا مدار سب سے بڑھ کر عقیدۂ توحید کی صحت اور مضبوطی پر ہے۔ اس میں اگر خرابی آگئی تو پھر کوئی چیز نافع نہیں ہو سکتی اور اگر یہ صحیح و مضبوط ہو تو آخری کامیابی حاصل ہو کر رہے گی۔ اسی جہت سے اس معنی کی احادیث اُس آیت قرآنی سے مطابق ہوتی ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

© rasailojaraid.com